اصغر سیال
ماہرِ مضمونِ اردو،
گورنمنٹ ہائر سیکنڈری اسکول بدھلہ سنت،
ملتان

مولانا احمد رضا خاں کی اردو نثر کا تاریخی تناظر

ABSTRACT

Historical context of Maulana Ahmad Riza Khan's Urdu prose
By Asghar Sial, Teacher Urdu, Govt. Higher secondery School, Budhla Sent, Multan.

Molana Ahmad Riza Khan was a prolific scholar of Arabic and Persian as well as an Urdu scholar. He used Urdu prose to spread the message of Muslims and to raise awareness of religious issues. To meet the religious requirements of his time, he wrote Urdu prose and preserved literary words. His style of consultation is to adopt the most appropriate approach for the delivery of his goals. His father and he himself did not follow either of the Delhi or Lucknow school of thought, but instead of adopting a new style and gaining a unique position in comparison to other Urdu prose writers of his retro, he gained a distinguished position. In his prose style, the literary foretaste is evident in the additional sagacity.

مولانا احمد رضا خاں (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) عربی، فارسی کے علاوہ اردو کے زبردست عالم اور صاحبِ طرز نثر نگار تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو تبلیغ اور دینی مسائل سے آگاہی کے لیے اردو نثر کا سہارا لیا۔ اپنے دور کے مذہبی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اردو نثر کو محفوظ اور ادبی نثر پاروں سے مالا مال کیا۔ آپ کے اسلوبِ نگارش کی یہ خاصیت ہے کہ اپنے مقاصد و مفاہیم کی ترسیل کے لیے موزوں ترین اسلوب کو اپنایا۔ آپ کے والد اور خود آپ نے دبستانِ دہلی یا دبستانِ لکھنؤ کی پیروی نہیں کی بلکہ نئی طرزِ نگارش کو اپناتے ہوئے اپنے دور کے دیگر نثر نگاروں کے مقابلے میں بالکل منفرد مقام حاصل کیا۔ اُن کے نثری اسلوب میں معنویت کے ساتھ ساتھ ادبی جھلک بھی واضح دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے ہمہ قسمی نثر کا خوب استعمال کیا۔

مولانا احمد رضا خان زود نویس شاعر و نثر نگار تھے۔ انھوں نے ایک ہزار سے زائد کتب و رسائل تصیف کیے۔ شاعری میں انھوں نے مذہبی اور خاص طور پر نعتیہ شاعری کی۔ ان کے قلم سے تخلیق پانے والا کلام اپنی انفرادیت کی وجہ سے اپنی الگ پہچان رکھتا ہے۔ ان کی کثیر تصانیف کو دیکھنے کے بعد کوئی محقق نظروں میں نہیں جچتا۔ معروف محقق اور سابق صدر شعبہ

اردو، سندھ یونی ورسٹی جامشورو پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں لکھتے ہیں:

ان کے فضل وکمال، ذہانت و فطانت، طباعی و دراکی کے سامنے بڑے بڑے علماء، فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین ومستشرقین نظروں میں نہیں جچتے...[۱]

معروف ماہر تعلیم پروفیسر ڈاکٹر حامد علی خاں (شعبۂ عربی، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ) کے مطابق مولانا احمد رضا خاں اپنے دور کے فاضلِ اجل اور تمام علوم وفنون میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔) پاکستان کے معروف مؤرخ و دانش ور میاں عبدالرشید رقم طراز ہیں:

وہ (مولانا احمد رضا خاں) ہمہ گیر عبقری، نہایت ذہین اور بے حد متقی اور فقہ اسلامی کے ماہر، ان کا علم ہمہ گیر تھا۔[۲]

اقبال احمد اختر القادری لکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے مختصر زندگی میں جو کام کیا ہے وہ کسی فردِ واحد سے ممکن ہی نہیں۔ ان کے عمیق اور وسیع کام کے لیے بڑے بڑے اداروں اور یونیورسٹیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ فاضلِ بریلی بذاتِ خود ایک یونی ورسٹی تھے۔[۳] انھوں نے مولانا حسنین رضا خاں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی زندگی کو اگر ان کی کتب کے صفحات پر تقسیم کیا جائے تو تقریباً پینتالیس (۴۵) صفحات فی یوم اوسط بنتی ہے۔[۴] مولانا احمد رضا خاں ایسے زود نویس مصنف ومؤلف تھے کہ ایک ہی وقت میں مسودات کو چار افراد نقل کرتے اور سب مسلسل مصروف رہتے تھے۔[۵] فتویٰ نویسی میں انھیں کمال حاصل تھا بہ یک وقت پانچ پانچ سو استفتاء آتے اور سب کا بروقت جواب دیتے تھے۔[۶] ان کی تصانیف پر تحقیق کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ ان کا تحریری کام ان کے دور اور متقدمین میں بھی کثرتِ تصانیف و تالیف کی بنا پر فائق ہے۔ ان کی تصانیف میں بتدریج اضافہ منظرِ عام پر آرہا ہے۔[۷] معروف محقق اور سابق ایڈیشنل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (۱۹۳۰ء- ۲۰۰۸ء) رقمطراز ہیں:

فتاویٰ کے علاوہ امام احمد رضا کی دیگر کتب و تصانیف خاص اہمیت رکھتی ہیں جن کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے۔[۸]

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو (سابق صدر شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) اپنے ایک مضمون بعنوان "صاحبِ تصانیفِ کثیرہ" میں لکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں مطالعہ و تدریس کے بعد زیادہ تر وقت تصنیف و تالیف میں صرف کرتے تھے۔ وہ موضوعات کے تنوع اور کثرتِ تصانیف کی بنا پر اپنے معاصرین میں ممتاز مقام کے حامل تھے۔[۹]

مولانا احمد رضا خاں کی متنوع علمی جہات پر تیس سے زائد پی ایچ۔ ڈی کے مقالات ہوچکے ہیں۔ ایم۔فل سطح کا کام اس کے علاوہ ہے۔ پی ایچ۔ ڈی سطح کی تحقیق مکمل کرنے والوں میں، ڈاکٹر حسن رضا خاں، ڈاکٹر مسز اوشا سانیال، ڈاکٹر سید جمال الدین، ڈاکٹر محمد امام الدین جوہر شفیع آبادی، ڈاکٹر طیب رضا، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ڈاکٹر حافظ الباری صدیقی، ڈاکٹر

عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر سراج احمد بستوی، ڈاکٹر امجد رضا قادری، پروفیسر ڈاکٹر انور خاں، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، ڈاکٹر رضا الرحمٰن عاکف سنبھلی، ڈاکٹر غلام غوث قادری، پروفیسر ڈاکٹر تنظیم الفردوس، پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی ,ڈاکٹر سید شاہد علی نورانی، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی اور راقم الحروف کے نام شامل ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں نے اردو، عربی، فارسی زبانوں میں کتب تصنیف کیں۔ ان کا اردو مجموعہ کلام "حدائقِ بخشش" نعتیہ شاعری میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ ان کے کلام کی شروح لکھی گئیں اور اعلیٰ سطح کا تحقیقی کام بھی ہو چکا ہے۔ نثر میں ان کا سب سے وقیع کام "العطایہ النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" ہے۔ فتاویٰ نویسی میں انھوں نے مختلف اسالیب کو اپنایا۔ "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ان کا معروف اردو ترجمہ ہے۔ "تفسیر سورۂ والضحیٰ"، "تفسیر باءِ بسم اللہ"، "الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام"، "الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ"، "النفحہ الفاتحۃ من مسک سورۃ الفاتحۃ" اور "جالب الجنان فی رسم احرف من القرآن" ان کی اردو تصنیفات ہیں۔

ڈاکٹر مشاہد حسین رضوی کے مطابق مولانا احمد رضا خاں نے تحقیق میں صحتِ نسخ اور صحتِ متون کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ بلا تامل کسی بھی شائع شدہ کتاب کو کسی سے منسوب کرنا استدلال و استناد کے خلاف ہے۔(۱۰) ڈاکٹر مشاہد حسین رضوی لکھتے ہیں:

> امام احمد رضا نے اپنی اردو نثر میں موضوع کی صحیح فہمائش پر زور دیا اور اپنے افکار و خیالات کی وضاحت وصراحت کے لیے گنجلک اسلوبِ نگارش کو نہیں اپنایا اور نہ ہی آپ کی تحریروں میں تصنع اور بناوٹ کا کہیں شائبہ گزرتا ہے، جیسا کہ عہدِ رضا ہی کے ایک مشہور نثر نگار مولانا ابوالکلام آزاد، کہ جنھوں نے اپنی اردو تحریروں میں عربی وفارسی کی تراکیب سے اپنے اسلوب کو سجانے کے لیے قاری کو الفاظ و معنی کی بھول بھلیوں میں گم کر دیا ہے اور اپنے زورِ بیان کی نمایش وزیبایش کرنے کے لیے انھوں نے جو اسلوب اختیار کیا ہے اس میں بہ ظاہر تو لطف محسوس ہوتا ہے لیکن یہ اہل نقد ونظر جانتے ہیں کہ ابوالکلام آزاد کے اسلوب میں مصنوعی طرزِ بیان نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ بل کہ بعض ناقدین نے تو آزادؔ صاحب کی تحریروں کو انانیتی ادب سے بھی تعبیر کیا ہے۔ جب کہ امام احمد رضا کی تحریریں ان معائب سے پاک وصاف اور فطری انداز لیے ہوئے ہیں۔(۱۱)

پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی(۱۲) مولانا احمد رضا خان کی نثر نگاری کے موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ مولانا احمد رضا خاں نے موضوع کو اساسِ تحریر قرار دیا۔ انھوں نے اسلوبِ نثر میں تزئین کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی۔ اس کے

باوجود ان کی نثر میں فنی محاسن دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کی عربی و فارسی تراکیب طبع نازک پر خوشگوار محسوس ہوتی ہیں۔(۱۳) مولانا احمد رضا خاں سے قبل صنائع و بدائع کا استعمال کیا جاتا تھا۔ تاہم انھوں نے تصنعِ عبارت آرائی سے اس طرح اجتناب کیا کہ مقصدِ اعظم دین کو مدِنظر رکھا۔(۱۴)

ڈاکٹر مشاہد حسین رضوی، تاریخِ ادب اردو میں مولانا احمد رضا خاں کا تذکرہ نہ کرنے پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اسے سنگین جرم اور بڑی خیانت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اردو کے تذکرہ نگاروں اور اردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے والے مورخین و ناقدین نے امام احمد رضا جیسے عظیم ادیب و شاعر کی علمی، ادبی، لسانی اور تعلیمی خدمات کا تذکرہ نہ کرکے اردو ادب کے ساتھ نہ صرف یہ کہ انصاف نہیں کیا ہے بل کہ آپ کی شخصیت کو ناقابلِ اعتنا سمجھ کر ایک سنگین جُرم اور بڑی ادبی خیانت بھی کی ہے...(۱۵)

مولانا احمد رضا خان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا انھوں نے دوسو کے قریب کتب پر حواشی تحریر کیے۔ حاشیہ نگاری کا کام ایک پارکھ کا کام ہوتا ہے۔ کتاب کی وضاحت اور مندرجات کی تفاصیل حواشی سے معلوم ہوتی ہیں۔ کتاب کا براہِ راست مطالعہ تفہیم میں دشواری کا باعث بن جاتا ہے۔ ماہرِ فن، مستند اور قابلِ شرح کتب پر حاشیہ نگار دقیق اور وضاحت طلب جزئیات کا ذکر کتاب کے حواشی میں درج کرتا ہے۔ کتاب کی قدر و قیمت کے ساتھ ساتھ حاشیہ نگار کی قابلیت کا اندازہ بھی بخوبی ہوتا ہے کہ اس نے کس حد تک اس کی شرح و تفصیل کو بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال اپنی کتاب "تحقیق اور تدوین متن" میں محقق و حاشیہ نگار کے علمی اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ایک سے زیادہ زبانوں پر دسترس رکھتا ہو۔ کئی علوم کا ماہر ہو۔ اس کا مطالعہ نہایت وسیع ہو تا کہ وسیع معلومات کی بدولت بہتر تفہیم کرسکے۔ جدید اور قدیم علوم وفنون سے دلچسپی رکھتا ہو اور اس کی وضاحت کرنے کا سلیقہ جانتا ہو۔ تاریخی شعور کی بدولت انسانی، سماجی اور ادبی روایات سے واقف ہو۔) (مولانا ان تمام خوبیوں کے مالک تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ایک مضمون "رسائل رضویہ ایک مکمل جامعہ کا نصاب" میں رقمطراز ہیں:

> امام احمد رضا، جو خود علمی اعتبار سے ایک عمومی یونیورسٹی (General University) کی حیثیت رکھتے ہیں اپنی اس جامعہ کے تمام شعبہ جات کے لیے نہ صرف سلیبس تیار کیا، بلکہ اس سلیبس کے اعتبار سے بنیادی کتابوں کا ۱۰۰۰ سے زیادہ کتب و رسائل پر مشتمل ذخیرہ بھی فراہم کردیا ہے کہ اگر کوئی کسی وقت میں امام احمد رضا یونیورسٹی بنانا چاہے تو خود صاحب کتب کی ۱۰۰۰ سے زیادہ کتب و رسائل سے اس جامعہ کی ابتدا کرسکتا ہے اور شاید یہ دنیا کا ایک انوکھا عجوبہ ہوگا کہ جس کے نام کی یونیورسٹی بنائی

جاری ہے خود اس کی لکھی ہوئی کتابیں اس جامعہ کے اکثر و بیشتر شعبہ جات میں
ٹیکسٹ بک کی حیثیت سے پڑھائی جاسکتی ہیں۔ (۱۶)

سید ریاست علی قادری (۱۹۳۲ء-۱۹۹۲ء) نے مولانا احمد رضا خاں کے نثری شہ پاروں کو مرتب کیا جسے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی نے شائع کیا۔ اُن کی زیادہ تر تصانیف نثر پر مبنی ہیں۔ تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ تاحال جو تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں ان کی تعداد پانچ سو اٹھہتر (۵۷۸) ہے۔ اس لیے آپ کی تصانیف میں جملہ نثری فن پارے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے عہد میں مولوی نذیر احمد، الطاف حسین حالی، مولانا محمد حسین آزاد ایسے دیگر نثر نگار موجود تھے۔ انھوں نے اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہوئے اردو نثر کو دینی ادب سے متعارف کرایا۔

اردو ادب میں نظم و نثر کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو شاعری قدامت اور ضخامت کے لحاظ سے نثر پر حاوی ہے۔ رام بابو سکسینہ (۱۸۹۲ء-۱۹۵۷ء) اپنی کتاب ''تاریخ ادب اردو'' (حصہ نثر) میں لکھتے ہیں کہ تمام زبانوں میں نثر کی ابتدا نظم کے بعد ہوئی بالکل اسی اصول کے تحت اردو کی نثر بھی نظم کے بعد منظر عام پر آئی۔ اس کی ابتدا آٹھویں صدی ہجری سے ہوتی ہے۔ (۱۷) دکن اور گجرات کے فقرا اور صوفیہ نے اردو نثر میں کئی چھوٹے چھوٹے رسائل تحریر کیے۔ شروع میں نثر کے نمونے عربی اور فارسی کی دینی کتابوں کے اردو تراجم پر مشتمل تھے۔ نویں صدی ہجری میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (۱۳۲۱ء-۱۴۲۲ء) نے ''معراج العاشقین'' اور سید محمد عبداللہ نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۷۸ء-۱۱۶۶ء) کے رسالے ''نشاط العشق'' کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جس کا ایک نسخہ ٹیپو سلطان (۱۷۵۰ء-۱۷۹۹ء) کے کتب خانے میں موجود تھا۔ شاہ میراں جی (نے ''شرح مرغوب القلوب'' رقم کی اور ان کے بیٹے شاہ برہان الدین جانم (م ۹۹۰ھ) نے کئی کتابیں تحریر کی تھیں جن میں نمایاں ''کلمۃ الحق'' اور ''ھمد ست'' ہیں۔ ان کی تحریر میں ادبی رنگ کے ساتھ تصوف اور اخلاقیات کے موضوعات کی کثرت ہے۔ (۱۸) ان کے ہم عصر شیخ محمود الحق خوش دہاں ہیں۔ انھوں نے ایک رسالہ ''رسالہ محمود خوش دہاں'' لکھا۔ ان کا اسلوب مربوط اور شائستہ ہے۔ (۱۹) شاہ برہان الدین اعلیٰ کے بیٹے شاہ امین الدین اعلیٰ نے رسالہ ''وجودیہ'' اور ''کلمۃ الاسرار'' لکھا۔ علاوہ ازیں انھوں نے ''شرح کلمہ طیب'' اور ''عشق نامہ'' اور رسالہ ''ظاہر و باطن'' تحریر کیا ان کا بنیادی موضوع تصوف اور اخلاقیات ہے۔ (۲۰) ملا وجہی (م ۱۶۵۹ء) نے ''سب رس'' تخلیق کی جس کا سنِ تصیف ۱۰۴۵ھ بتایا جاتا ہے۔ یہ ملا وجہی کی طبع زاد تصنیف نہیں بلکہ محمد یحییٰ ابن سیبک فتاحی نیشاپوری کی فارسی تصنیف ''دستورِ عشق'' (۱۴۳۶ھ) کے نثری خلاصے ''حسن و دل'' سے اخذ شدہ ہے۔ ملا وجہی نے ''سب رس'' میں نظم و نثر کو جمع کر دیا ہے۔

میران جی حسین خدانما (۱۵۹۵ء-۱۶۶۳ء) نے کچھ رسائل ترجمہ اور تالیف کیے۔ ان کے عنوانات ''چہار وجود''، ''رسالہ مربیہ'' اور ''شرح تمہیدات ہمدانی'' ہیں۔ اُن کے ہم عصر میران یعقوب نے میر رکن عمادالدین کی فارسی تصنیف کا اردو ترجمہ نہایت سلیس اور سادہ نثر میں کیا تھا۔ (۲۱) دکن وہ مقام ہے جہاں سے اردو نثر کا آغاز ہوا لیکن شمالی ہند میں اردو نثر کی ابتدا

فضل علی فضلی کی ''کربل کتھا'' سے ہوئی۔ انھوں نے ۱۷۳۲ء میں اسے تصنیف کیا۔ یہ کتاب ان کی طبع زاد نہیں ہے بلکہ کمال الدین حسین بن علی واعظ کاشفی کی فارسی تصنیف ''روضۃ الشہدا'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمالی ہند میں فارسی رائج تھی اور اردو نثر کا آغاز فارسی کے اردو تراجم سے ہوا۔ فضلی کے ہم عصر عیوی خاں بہادر نے ''قصہ مہر افروز دلبر'' ۱۷۳۲ء سے ۱۷۵۹ء کے دوران میں تحریر کیا۔ یہ واحد قصہ ہے جس کا پورا پلاٹ من گھڑت، سیکولر یا غیر مذہبی ہے۔ اس قصے کی زبان کربل کتھا کی نسبت صاف، سادہ اور آسان کے علاوہ بالکل نئی ہے۔ عیوی خاں نے اسے اپنے دور کی بول چال اور روزمرہ کے مطابق تحریر کیا۔ اس دور کی معروف کتاب ''نوطرزِ مرصع'' ہے جسے میر عطا حسین خاں تحسینؔ نے امیر خسروؔ کی فارسی تصنیف ''قصہ چہار درویش'' سے اردو میں منتقل کیا۔

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ (۱۷۹۷ء۔۱۸۶۹ء) شاعری کے علاوہ اردو نثر میں بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کے خطوط اُردو نثر نگاری میں سنگِ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اردو نثر کو استوار کرنے میں اُن کے مکتوبات کا کردار مسلم ہے۔۔ غالبؔ نے مکتوب نگاری کو بات چیت کے اسلوب سے روشناس کرایا۔ کئی خطوط ایسے ہیں کہ اُن کی ابتدا ہی اس طرح ہوتی ہے گویا بے تکلف گفت گو جاری ہو۔

مولانا حالیؔ نے انھیں اسی بنا پر "حیوانِ ظریف" کہا۔ اُن کی یہی ظرافت اور خوش طبعی ان کے مکتوبات میں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہے۔ وہ ہر خط میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور تحریر کرتے ہیں جس سے مکتوب الیہ خوش ہو۔ کسی کے روزہ نہ رکھنے کی شکایت کرنے پر غالبؔ اس طرح جواب مرحمت فرماتے ہیں:

> دھوپ بہت تیز ہے، روزہ رکھتا ہوں، مگر روزہ کو بہلاتا رہتا ہوں۔ کبھی ایک کٹورہ پانی پی لیا کبھی حقہ کا کش لگا لیا، کبھی روٹی کا ٹکڑا کھالیا۔ [۲۲]

غالبؔ کی مکتوب نگاری اردو نثر کی تاریخ میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اُن کی نثر بے تکلفی، سادگی اور روانی کا مرقع ہے۔ اُن کے اسلوب میں نئی کیفیت اور مزاج میں ادبیت کی شان دکھائی دیتی ہے۔ ان کے خطوط کی بدولت اردو نثر نگاری کو ادبی شعور اور بے ساختگی نصیب ہوئی۔ انھوں نے واقعی مراسلے کو مکالمے کا پیرہن عطا کیا۔

غالبؔ نے اپنے خطوط میں کئی علمی و ادبی مسائل پر گفت گو کی ہے۔ اُن کے مکتوبات میں انہی کی زبانی اشعار کی تشریح نہایت علمی انداز میں کی گئی ہے۔ غالبؔ کے خطوط علمی اور تخلیقی نثر کا شاہکار ہیں۔

مولانا غلام غوث قادری خطوط نویسی میں انھیں مرزا غالب پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں:

> اعلیٰ حضرت مرزا غالبؔ پر برتری لے گئے ہیں۔ مرزا غالبؔ کی تحریر میں ظرافت اور مردم پرستی کا عنصر نمایاں ہے جبکہ اعلیٰ حضرت کی تحریر میں خاکساری، انکساری، کے علاوہ بے ثباتی عالم کا درس بھی ہے جو ہمیں دعوتِ فکر دیتا ہے۔ اس طرح یہ کہنے میں

ہمیں ذرا بھی تامل نہیں کہ اعلیحضرت کے مکاتیب میں علم وعرفان کی فضا دل کشی کے ساتھ ملتی ہے۔ (۲۳)

۱۸۰۱ء میں میر امّنؔ دہلوی (۲۴) نے ''باغ و بہار'' کے عنوان سے ''قصہ چہار درویش'' کا اردو ترجمہ کیا۔ انھوں نے تحسینؔ کے برعکس عربی اور فارسی کے غیر مانوس الفاظ کے استعمال سے گریز کیا۔ سرسید نے میر امّن کے مقام کو متعین کرتے ہوئے بالکل درست کہا کہ نظم میں جو مرتبہ میر تقی میرؔ کو حاصل ہے وہی نثر میں میر امّن کو حاصل ہے۔ (۲۵) ''باغ و بہار'' کے ابتدائیہ میں اردو زبان کی ابتدا کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو انگریزوں میں بڑی پذیرائی ملی اور حکام نے اسے نصاب کا حصہ قرار دے دیا۔

۱۸۰۲ء میں فورٹ ولیم کالج سے وابستہ مظہر علی خاں نے ''ہفت گلشن'' کا ترجمہ کیا۔ مظہر علی خاں نے ''قصہ مدھونل'' اور ''تاریخ شیر شاہی'' کا ترجمہ بھی کیا۔ اسی سال میر امّن دہلوی نے ملاحسین واعظ کاشفی کی کتاب ''اخلاق محسنی'' کی طرز پر ''گنج خوبی'' (۲۶) تحریر کی۔ علاوہ ازیں میر شیر علی افسوس نے بھی اسی سال شیخ سعدی کی معروف کتاب ''گلستانِ سعدی'' کا اردو ترجمہ ''باغِ اردو'' کے عنوان سے شائع کیا۔

۱۸۰۳ء میں حفیظ الدین احمد نے ابوالفضل کی ''عیار دانش'' کا اردو ترجمہ ''خرد افروز'' کے عنوان سے تحریر کیا۔

۱۸۰۴ء میں میر شیر علی افسوسؔ نے ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور ہندو راجاؤں کی مختصر تاریخ پر مبنی کتاب ''آرائش محفل'' لکھنا شروع کی۔ یاد رہے کہ میر شیر علی افسوس نے اپنے آپ کو صرف ترجمے تک محدود نہیں رکھا بلکہ طبع زاد تخلیقات بھی منظرِ عالم پر لائے۔ انھوں نے جغرافیہ اور تاریخ کو موضوع بنایا۔ یوں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ۱۸۰۴ء میں اردو نثر میں تاریخ اور جغرافیہ کی کتب بھی تحریر کی جارہی تھیں۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے فورٹ ولیم کالج کے میر منشی بہادر علی حسینی سے ''ہتو پدیش'' کے فارسی ترجمہ ''مفرح القلوب'' کا اردو میں سلیس ترجمہ کرنے کی خواہش کی تو انھوں نے ''اخلاقِ ہندی'' کے عنوان سے اسے مکمل کردیا۔ ۱۸۰۴ء میں بہادر علی حسینی نے ''نثر بے نظیر'' کتاب تحریر کی۔ ۱۸۰۹ء میں خلیل علی خاں اشک نے ''اکبر نامہ'' کا ترجمہ ''واقعاتِ کربلا'' کے عنوان سے کیا۔ مرزا جان طپش نے اسی زمانے میں اردو محاورات پر ایک کتاب تصنیف کی۔ ۱۸۱۱ء میں بینی نرائن نے فارسی قصے کا ''چہار گلشن'' کے عنوان سے ترجمہ کیا۔ (۲۷)

ڈاکٹر گلکرسٹ نے قرآن مجید اور ''تاریخ فرشتہ'' کے ترجمے کی خواہش ظاہر کی تو مرزا کاظم علی جوان نے اردو نثر میں ان کا ترجمہ کیا۔ ۱۸۱۲ء میں کاظم علی جوان نے ''بارہ ماسہ'' کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی، جس میں انھوں نے مختلف موسموں، فصلوں کے علاوہ ہندو مسلم تہواروں کا بھی تذکرہ کیا۔

۱۸۱۳ء میں ''مذہبِ عشق'' کے عنوان سے ''قصہ گل بکاؤلی'' کا اردو نثر میں ترجمہ نہال چند لاہوری نے کیا۔ مولوی اکرام (۲۸) نے عربی کی مشہور کتاب ''اخوان الصفی'' کا سادہ اور آسان اردو ترجمہ کیا۔ بہادر علی حسینی کے تعاون سے ''تاریخ

آسام'' کا اردو ترجمہ قصہ لقمان اور قرآنِ مجید کا ترجمہ بھی شائع کیا گیا۔

سید حیدر بخش حیدریؔ نے اکثر فارسی کی کتب کا ترجمہ کیا۔ انھوں نے امیر خسروؔ کی فارسی تصنیف ''طوطی نامہ''، نادر نامہ'' کا اردو ترجمہ ''تاریخ نادری''، ملا واعظ کاشفی کی کتاب ''روضۃ الشہدا'' کا ترجمہ ''گلشنِ شہیداں'' اور شیخ عنایت اللہ کی ''بہارِ دانش'' کا اردو نثر میں ترجمہ ''گلزارِ دانش'' کے عنوان سے کیا۔(۲۹)

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی جسے انگریز غدر کا نام دیتے رہے میں ایک سبب ہندوستانیوں کو تبدیلیء مذہب پر اکسانا تھا۔ انگریز افسران اور مشنری مبلغین فوجیوں اور بازاروں میں عام لوگوں کو عیسائی بنانے کے درپے رہے۔ انھوں نے ہندو مسلم رہنماؤں اور بزرگوں کے خلاف سخت ناپسندیدہ الفاظ استعمال کیے۔ انگریزوں نے علمی سطح پر جہاں اردو زبان کو فروغ دینے کے لیے فورٹ ولیم کالج قائم کیا تو وہاں عیسائیت کی ترویج کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

شعبۂ اردو کے سربراہ ڈاکٹر گل کرسٹ کے استعفیٰ کے پس منظر کے متعلق ڈاکٹر تبسم کاشمیری رقمطراز ہیں:

> ۱۸۰۴ء میں ہندوستانی شعبہ کے لیے گل کرسٹ نے مباحثہ کا جو عنوان تجویز کیا تھا وہ متنازعہ فیہ قرار پایا۔ عنوان تھا: ''اگر ہندوستانی باشندے عیسائی اصولوں کا مقابلہ اپنی مذہبی کتابوں سے کریں تو وہ عیسائیت قبول کرلیں گے۔'' اس موضوع سے کلکتہ کے مسلمان حلقوں میں شدید احتجاج پیدا ہوا۔(۳۰)

انگریز دور میں مقتدر شخصیات کی زندگی بھی اجیرن تھی۔ ان مظالم کی وجہ سے لوگوں پر عرصۂ حیات نہایت گراں تھا۔ مولانا احمد رضا خاں اپنے دور کے اعلیٰ ترین عالمِ دین اور انتہائی متقی تھے۔ وہ کثیر الجہات شخصیت اور صاحب طرز اردو نثر نگار تھے۔ ان کے فتاویٰ میں صدق وحقیقت اور استدلال کا عنصر غالب دکھائی دیتا ہے۔ عیسائیت کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے انھوں نے علمی میدان منتخب کیا۔ اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں کے مشن کو جاری رکھا۔ بریلی میں انھوں نے ''منظرِ اسلام'' کے ذریعے قوم کو پستی سے نکالا اور مذہبی تشخص کو مضبوط کیا۔ عوام میں خود اعتمادی بحال کرنے کی کوشش کی۔ مغربیت اور نئے عقائد سے خبردار کیا اور ذہنی وفکری اعتبار سے تیار کیا۔

سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۹۸ء) نثر نگاری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ انھوں نے جدید اردو نثر کی ابتدا کی۔ ان کی کوششوں سے اردو زبان قافیہ اور ردیف کی بندش سے آزاد ہوئی۔ اردو نثر کو اس قدر فروغ ملا کہ اسے قومی و سیاسی مقاصد کے ساتھ ساتھ تعلیمی مقاصد کی تکمیل کے لیے برتا گیا۔ اردو نثر نے اس قدر ترقی کی کہ دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی ہمسر بن گئی۔ سرسید نے مذہبی، سیاسی، تاریخی اور علمی موضوعات پر کتب تحریر کیں۔ ان کی معروف کتب میں ''آثار الصنادید''، ''خطباتِ احمدیہ''، ''تاریخ سرکشی بجنور'' اور ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' خاص طور پر اہمیت کی حامل ہیں۔ مذکورہ تمام کتب اپنے مستند مواد اور تاریخی اہمیت کے لحاظ سے حوالہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

سرسید نے اپنی ادبی زندگی کی ابتدا، اپنے بڑے بھائی سید محمد خان کے اخبار "سید الاخبار" سے کیا۔ مذکورہ اخبار ۱۸۳۷ء کے قریب منظر عام پر آیا جب سرسید کی عمر انیس سال تھی۔(۳۱) سرسید احمد خان نے اسی اخبار میں مضامین لکھنے شروع کیے۔ سرسید احمد خان جوانی سے وفات تک مسلسل لکھتے رہے۔ "حیاتِ جاوید" میں مولانا الطاف حسین حالی نے بھی لکھا ہے کہ سرسید کا جی زیادہ تصنیف و تالیف میں لگتا تھا۔ انھوں نے کئی کتابیں اور سیکڑوں مضامین تحریر کیے۔ ۱۸۴۱ء میں سرسید احمد خان نے قوانین متعلقہ مققّی کا خلاصہ انتخاب الاخوین" کے عنوان سے شائع کیا۔ ۱۸۴۳ء میں انھوں نے میلاد شریف کی محفلوں میں پڑھنے کے لیے مستند احادیث پر مبنی معجزات اور واقعات "جلاء القلوب بذکر المحبوب" کے عنوان سے لکھے۔ ۱۸۴۴ء میں "تسہیل فی جر الثقیل" کے عنوان سے مسلم سائنسدان بوعلی کی کتاب "معیار العقول" کا ترجمہ کیا۔ ۱۸۴۵ء میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تحریر کردہ کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" کے باب دس اور بارہ کا اردو ترجمہ "تحفۂ حسن" کے عنوان سے شائع ہوا۔

سرسید کا اسلوب نہایت سادہ اور پُر اثر ہے۔ انھوں نے ادق اور پیچیدہ مسائل کو بھی اردو نثر میں اس طرح پیش کیا ہے کہ قاری کی دلچسپی قائم رہتی ہے۔ سرسید اردو نثر نگاری میں ایک سایہ دار درخت کی مانند تھے۔ انھوں نے خود اور ان کے ساتھیوں نے بھی اردو ادب کو نثر کا عظیم ترین ذخیرہ عطا کیا۔ اب اردو کا دامن عمدہ نثر پاروں سے مالا مال ہے۔ اس کامیابی کا سہرا سرسید کے سر جاتا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۳۷ء- ۱۹۱۲ء) کا شمار اردو کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ انھیں اردو کا اولین ناول نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ انھوں نے سات ناول تحریر کیے۔ "مراۃ العروس"، "بنات النعش"، "توبۃ النصوح"، "فسانۂ مبتلا"، "ابن الوقت"، "ایامٰی" اور "رویائے صادقہ" ان کے جملہ ناولوں کا سرمایہ ہیں۔ ان کا پہلا ناول "مراۃ العروس" ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا، جو اردو ناول نگاری نقطۂ آغاز تھا۔ انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے صنفِ نازک کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ ان ناولوں میں اخلاقیات اور نصیحت آموزی نمایاں ہے۔ ان کے تمام تر کردار مثالی کردار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مولوی نذیر احمد نے علمی و ادبی خدمات بھی پیش کیں۔ انھوں نے انگریزی "انڈین پینل کوڈ" کو اردو زبان میں منتقل کیا، جسے "تعزیراتِ ہند" کے عنوان سے شائع کیا گیا۔

مذہبی حوالے سے انھوں نے قرآنِ مجید کا اردو زبان میں سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کیا۔ ایک نصرانی مبلغ نے اپنی کتاب "امہات المؤمنین" میں ازواجِ مطہرات کی شان میں نازیبا کلمات تحریر کیے۔ مولوی نذیر احمد نے اس کے رد میں ایک کتاب "امہات الامۃ" لکھی۔ واعظ و نصیحت کے حوالے سے "مواعظِ حسنہ"، "منتخب الحکایات" اور "چند پند" بہت مشہور ہیں۔ دینی موضوع پر انھوں نے "الحقوق و الفرائض" اور "ادعیۃ القرآن" تحریر کیں۔ علمِ منطق پر "مبادی الحکمۃ"، قواعد پر "صرفِ صغیر" اور علمِ ہیئت پر "سموات" لکھی۔ ۱۹۰۸ء میں ان کی کتاب "کتاب الاجتہاد" منظر عام پر آئی۔

انھوں نے عوامی اور روزمرہ دہلوی زبان کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ انھوں نے بعض اوقات نہایت وضاحت سے خیالات کا اظہار کیا ہے اپنے تجربات و مشاہدات کو بھی پیش کر دیا ہے۔ یہ اُن کی خوبی ہے کہ وہ الفاظ کی کمی کا احساس نہیں

ہونے دیتے۔ ان کے اسلوبِ نگارش میں سلاست، روانی، شگفتگی اور بلاغت پائی جاتی ہے۔ وہ ایک منفرد اسلوب کے حامل نثر نگار ہیں۔ نثر نگاری میں وہ اپنا الگ تشخص رکھتے ہیں۔ ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر حکومت نے انھیں "شمس العلماء" کا خطاب عطا کیا۔

مولانا محمد حسین آزادؔ (۱۸۳۰ء-۱۹۱۰ء) صاحبِ طرز انشا پرداز اور ادیب ہیں۔ ۱۸۶۵ء میں مولانا محمد حسین آزادؔ کو انجمن پنجاب لاہور کا سیکرٹری بنا دیا گیا۔ انھوں نے مولانا حالیؔ کے ساتھ مل کر موضوعاتی مشاعرے کرائے اور جدید شاعری کا آغاز کیا۔ انھوں نے محکمہ تعلیم کے لیے نصابی سازی میں بھی حصہ لیا۔

آخیر عمر میں اکلوتی بیٹی کی وفات اور دیگر صدموں کی وجہ سے دماغی توازن کھو بیٹھے اور اسی حالت میں ۱۹۱۰ء میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انھوں نے نثر میں اعلیٰ پائے کی کتب تخلیق کیں۔ "آبِ حیات"، "نیرنگِ خیال"، "دربارِ اکبری"، "قصص ہند" اور "سخندانِ فارس" ان کی قابلِ قدر تصانیف ہیں۔ مختصر یہ کہ مولانا محمد حسین آزادؔ کی نثر نگاری اتنی دل پذیر اور خوش گوار ہے کہ ان کی فنی خامیوں کی طرف نظر ہی نہیں جاتی۔ ان کا ہر جملہ، فقرہ خوب تراشیدہ اور سلاست و روانی کا شاہکار ہے۔

مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء-۱۹۱۵ء) کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ اردو اولیں باقاعدہ نقاد ہیں۔ "افاداتِ مہدی" میں مہدی افادی نے انھیں عناصر خمسہ میں بیان کیا ہے۔ ان کی شاہکار تصانیف میں "مقدمۂ شعر و شاعری"، "حیاتِ جاوید"، "حیاتِ سعدی" اور "یادگارِ غالبؔ" شامل ہیں۔

''تاریخِ ادبِ اردو' کے اس دور میں مولانا احمد رضا خاں نے اپنی نعتیہ شاعری کے ذریعے خوب شہرت پائی۔ انھیں شاعری کی طرح نثر نگاری میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان کی تحاریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کہنہ مشق ادیب اور نثر نگار بھی تھے۔ ان کے قلم میں روانی اور سلاست پائی جاتی ہے۔ برمحل اور موزوں الفاظ کا استعمال ان کی خاصیت ہے۔ ان کا اسلوبِ نگارش جذبات کا آئینہ دار اور جودت و نفاست کا مرقع ہے۔ انھوں نے مذہبی نثر میں بھی ادبی شیرینی و حلاوت کے ساتھ ساتھ استعارات کو خوب برتا ہے۔

۱۳۱۵ھ میں ایک نصرانی نے قرآن حکیم پر اعتراض کیا تو مولانا احمد رضا خاں نے اپنی کتاب "الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم ارحام" میں نصرانیت کے عقائد کو مختصر جملوں میں یوں پیش کیا کہ یہ نثر پارہ ادبی شاہکار بن گیا۔ ملاحظہ کیجیے:

> خدارا انصاف وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنم کے کودن۔ ایک اور تین میں فرق نہ جانیں۔ ایک خدا کو تین مانیں۔ پھر ان تینوں کو ایک ہی جانیں۔ بے مثل بے کوف کے لیے جورو بتائیں بیٹا ٹھہرائیں۔ اس کی پاک بندی، ستھری کنواری ماں و پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں۔ باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی۔ باپ خدا اور بیٹا کس کھیت کی مولی، باپ کے جہنم کو بیٹے سے ہی لاگ۔

سرکشوں کی چھٹی۔ بے گناہ پر آگ۔ امتی ناجی، رسول ملعون۔ معبود پر لعنت، بندے مامون۔ تف تف۔ وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چوسیں۔ اس کے گوشت پر دانت رکھیں۔ اف اف وہ گندے جو انبیاء رسل پر الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں۔ سخت فحش بیہودہ کلام گڑھیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں۔ زہ زہ بندگی! خہ خہ تعظیم۔ بہ بہ تہذیب قہ قہ تعلیم۔

درج بالا نثر پارے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے اسلوب تحریر میں کس قدر روانی اور تخیل کی بلندی پائی جاتی ہے۔ ان کے فتاویٰ اور مذہبی تحاریر سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ وہ مذہبی اسکالر ہونے کے ساتھ ساتھ قادر الکلام نثر نگار بھی تھے۔

سید ریاست علی قادری نے مولانا احمد رضا خان کے شہ پاروں کے انتخاب میں ایک اقتباس اس طرح منتخب کیا ہے:

افسوس اِن شرک فروش اندھوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ علمِ الٰہی ذاتی ہے اور علمِ خلق عطائی۔ وہ واجب، یہ ممکن، وہ قدیم، یہ حادث، وہ نامخلوق، یہ مخلوق، وہ نامقدور، یہ مقدور، وہ ضروری البقاء، یہ جائز، وہ ممتنع التغیر، یہ ممکن التبدل، ان عظیم تفرقوں کے بعد احتمالِ سرک نہ ہوگا۔ مگر کسی مجنوں کو، بصیرت کے اندھے اس علم وما یکون بمعنی مذکور ثابت جاننے کو معاذ اللہ علم الٰہی سے مقاوات مان لینا سمجھتے ہیں۔ (۳۲)

ادبیت اور قافیہ سے بھرپور نثری شہ پارے کی مثال دیکھیے:

کیا فائدہ کہ اس وقت آپ کا خواب غفلت کچھ ہذیات (بے ہودہ گوئی) کا رنگ دکھائے، اور جب صبح ہدایت افق سعادت سے طالع ہو تو کھل جائے کہ:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو کہا افسانہ تھا

معہذا طائفہ ارانب وثعالب کو یہی مناسب کہ جب شیر ژیاں کو چہل قدمی کرتا دیکھ لیں سامنے سے ٹل جائیں اپنے اپنے سوراخوں میں جان چھپائیں، نہ یہ کہ اس وقت اس کے خرام نرم پر غرّہ ہو کر آئیں اس کی آتشِ غضب کو بھڑکائیں اپنی موت اپنے منہ بلائیں:

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دور تر خواہند
شغالانِ ہزیمت مند خشم شیر ہیجارا

(اے دوست! نصیحت سُن کہ اپنی جان سے دور چاہتے ہیں، شکست پسند گیدڑ بپھرے ہوئے شیر کے غصے کو۔ تخریج) (۳۳)

ایک مقام پر انھوں نے خطیبانہ نثر تخلیق کرتے ہوئے محاورے کا بھی عمدہ استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:
مقفّیٰ نثر قدیم سرمایہ اور نہایت مشاق نثر نگار کا کمال ہے۔ اردو میں مولانا احمد رضا خان کی یہ خاصیت ہے کہ انھوں نے فتاویٰ رضویہ میں اس قسم کا بہت عمدہ استعمال کیا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ کیجئے:

> نہ ایسی نقل مجہول کسی طرح قابل قبول نہ ایسا ناقل التفات کے قابل نہ اس پر شرع سے کوئی دلیل اور قول بے دلیل مردود و ذلیل۔ (۳۴)

ڈاکٹر غلام غوث قادری، مولانا احمد رضا خان کی لسانی خدمات کو سراہتے ہوئے ان کے کچھ مستعمل الفاظ کا ذکر کرتے ہیں:

> امام احمد رضا خان کی لسانی خدمت کی داد دیجیے۔ مثلاً ”بیر، جلن، گھٹن، گھٹا ٹوپ، خیال بندیاں، منہ اجالا ہونا، خواری جما دی گئی“ وغیرہ۔ (۳۵)

ایک مزید مثال ملاحظہ کیجیے:

> حضور پُرنور شفیع یوم النشور صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک۔ (۳۶)

ایک مقام پر انھوں نے خطیبانہ نثر تخلیق کرتے ہوئے محاورے کا بھی عمدہ استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> وائے بے انصافی ان لیاقتوں پر ائمہ مجتہدین سے ہمسری کا دعویٰ ہیہات ہیہات چھوٹا منہ بڑی بات آدمی کو کتنی بھاتی ہے مگر امتحان دیتے وقت مزا آتا ہے۔ (۳۷)

ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

> خدارا ذرا انصاف کو کام فرماؤ، خلق کا کیا پاس خالق سے شرماؤ، کچھ دیکھا بھی کس پر امکانِ کذب کی تہمت دھرتے ہو، کس پاک بے عیب میں عیب آنے کا احتمال کرتے ہو، العظمۃ للہ! ارے وہ خدا ہے سب خوبیوں والا ہر عیب ونقصان سے پاک نرالا، ذرا تو گریبان میں منہ ڈالو جس نے زبان عطا فرمائی اس کے بارے میں تو زبان سنبھالو، وائے بے انصافی تمھیں کوئی جھوٹا کہے تو آپے میں نہ رہو اور ملک جبار واحد قہار کا جھوٹا ہونا یوں ممکن کہو، یہ کون سی دیانت ہے، کیا انصاف ہے، اس پر یہ قہر اصرار یہ بلا اعتساف ہے۔ (۳۸)

منظر نگاری اور مقفیٰ نثر کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے:

> ہاں وہ پیارا، بیکسوں کا سہارا، وہ بے یاروں کا یارا، وہ شفاعت کی آنکھ کا تارا، وہ محبوب محشر آرا، وہ رؤف رحیم ہمارا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائے گا۔ انا لہا، انا لہا میں ہوں شفاعت کے لیے، میں ہوں شفاعت کے لیے۔ (۳۹)

اردو نثر کی روانی اور بہترین الفاظ کے چناؤ کی حلاوت ملاحظہ کیجیے:

جنھیں قیامت تک کبھی بھی ناخن تدبیر نہ کھول سکے... جس سے کیسا ہی کوئی عقیل و مدبر ہو حیران رہ جائے کچھ نہ بول سکے... جسے میزان عقل میں کوئی نہ تول سکے... اللہ اکبر! ان کی صورت،... ان کی سیرت...، ان کی رفتار... ان کی گفتار... انکی ہر روش، ان کی ہر ادا... ان کا ہر ہر کردار... اسرارِ پروردگار عزمجدہٗ کا ایک بہترین مرقع اور بولتی تصویر ہے... (۴۰)

مولانا احمد رضا خاں (عالمِ دین اور سنجیدہ مزاج ہونے کے باوجود) نہایت خوش مزاج (خوش طبع) اور مزاح کی ادبی باریکیوں سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے (اپنے نثری نمونوں میں کثرت سے) ادبی مزاح کی بہترین مثالیں قائم کی ہیں۔ ان کے ادبی مزاح کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اعراب اور حروف کاری کی باریکیوں سے بھی اعلیٰ درجے کا مزاح پیدا کر لیتے اور تحریفِ حرفی کو تحریفِ معنوی میں بدل دیتے اور عام الفاظ کو خوب صورت محاورے میں ڈھال کر حسنِ تحریف کے اعلیٰ ذوق کا اظہار کرتے تھے۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' میں موجود ان کی تحریفِ حرفی کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

کسی آریہ نے اپنے مذہب کے متعلق ایک کتاب لکھی اور اسکا نام ''آریہ دھرم پر چار'' رکھا۔ جب وہ کتاب چھپی تو ایک نسخہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ حضرت نے اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر جگہ جگہ پر اس کا رد حاشیہ پر لکھا، اور اسی طرح جلی قلم سیاہ روشنائی سے ''پرچار'' کے بعد ''حرف'' بڑھا دیا۔ (۴۱)

ڈاکٹر صابر سنبھلی لکھتے ہیں:

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اردو کی جدید علمی نثر کے فروغ کا کام سرسید احمد خاں اور امام احمد رضا نے ہی کیا ہے لیکن اس بارے میں ایک کا نام مشہور ہوگیا دوسرے کا مسطور رہا۔ (۴۲)

انھوں نے مزید وضاحت کی ہے کہ سرسید اور ان کے رفقا نے اردو نثر میں اضافہ کیا لیکن ان کی نثر کا مولانا احمد رضا خاں کی نثر سے مقداری موازنہ کرایا جائے تو مولانا احمد رضا کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔ علمی مقابلے میں بھی مولانا احمد رضا خاں نے جتنے علوم وفنون پر کتب تحریر کیں سرسید اور ان کے رفقا نے نہیں لکھیں بلکہ نصف علوم پر بھی نہیں لکھیں۔ (۴۳)

غالبؔ کی مکتوب نگاری کے بعد خطوط نویسی کا سلسلہ نہایت طویل ہوگیا۔ ہر شاعر، ادیب اور قومی لیڈر نے خطوط کا ذخیرہ اردو نثر کو پیش کیا۔ سر سید احمد خاں، مولانا آزادؔ، مولوی نذیر احمد، مولانا احمد رضا خاں، شبلی نعمانی، عبدالحلیم شرر، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، پریم چند، عبیداللہ سندھی، مولانا حسرت موہانی، نواب میرزا خاں داغؔ، ڈاکٹر علامہ اقبال اور دیگر علمی وادبی شخصیات نے خطوط کے ذریعے اردو نثر میں گراں قدر اضافہ کیا اور اپنی اہمیت کو بھی اجاگر کیا۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی مولانا احمد رضا خاں کی نثر کے معیار کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان (مولانا احمد رضا خاں) کی نثر میں کوئی لفظی، محاوراتی، قواعد یا اسلوب کی غلطی کی نشاندہی ابھی تک نہیں کی جاسکی ہے۔ (۴۴)

مولانا احمد رضا خاں نہایت زودنویس تھے۔ انھوں نے بڑی سرعت سے لکھا، ایک ہی وقت میں مختلف موضوعات پر تین تین افراد کو املا کرتے لیکن عبارت کا ربط ہمیشہ قائم رہتا۔ اردو کی نثری تاریخ میں پنڈت رتن ناتھ سرشار قلم برداشتہ شخصیت تھے لیکن ان کے ہاں بھی ربط کی کمی پائی جاتی ہے۔ (۴۵)

مولانا احمد رضا خاں کا اسلوبِ نگارش نہایت شائشتہ تھا۔ عربی اور فارسی الفاظ کی کثرت بسااوقات لغت کی محتاج ہوتی ہے، لیکن مولانا احمد رضا خاں کی نثر کی خوبی یہ ہے بقول ڈاکٹر صابر سنبھلی:

امام احمد رضا کی نثر کی خوبی یہ ہے کہ وہ ابہام کے عیب سے پاک ہے۔ انھوں نے الفاظ کی بھول بھلیاں بنا کر اپنی نثر کو چیستاں نہیں بنایا۔ جو بات ہے صاف ہے، جو مسئلہ ہے واضح ہے اور اچھی نثر کی یہی خوبی ہے۔ (۴۶)

مولانا احمد رضا خاں نے بعض اسلوب نثر کو زندہ رکھا اور اس دور میں بھی جاری رکھا جب لوگ تقریباً ترک کر چکے تھے۔ مقفّٰی نثر کے لیے بڑی مہارت اور علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج کل ایسی نثر صرف کتابوں کی زینت بن کر رہ گئی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے جدید نثر جسے عاری نثر کا نام دیا جاتا ہے کو بھی فروغ دیا۔ وہ دونوں اسلوب پر قادر تھے لیکن ان کے پاس وقت کی قلت تھی ان کی مقفّٰی نثر کے جواہر پارے ملاحظہ کیجیے:

تحریر مذکور صواب سے بیگانہ فقاہت سے برکرانہ محض بے بنیاد کورانہ ہے۔ (۴۷)

ایک مقام پر مقفّٰی نثر کا خوب صورت اسلوب ملاحظہ کیجئے:

الحمدللہ آفتاب عالم تاب، حق وصواب بے نقاب وحجاب، شک وارتیاب جلوہ فرمائے منظر احباب ہوا اب کیا حاجت کہ حشویات زائدہ ولغویات بے فائدہ کے رد وابطال میں تضیع وقت کیجئے زید بے قید اپنی شدت جہالت وقوت سفاہت کے باعث خود اس قابل نہیں کہ اس کی بات قابل التفات ہو اس نے کوئی مطلب روشن علم پر تحریر نہ کیا، زورِ تناقض وشورِ تعارض نے جابجا اپنا ہی لکھا، خود رد کر دیا، عناد واجتزاو مکابرہ وافترا، سب وشتم علمائے کرام بیت اللہ الحرام کے ماورا، جو باتیں اصل مقصد میں لکھیں اپنے دونوں متبوعوں ہی کے کلام سے اخذ کیں۔ (۴۸)

مولانا احمد رضا خاں کی اردو نثر اپنے دور کے نثر نگاروں میں نمایاں ہے۔ انھوں نے اردو قواعد اور محاورات کے علاوہ ایسے الفاظ کو بھی استعمال کیا جنھیں ترک ہونے سے بچالیا گیا۔ انھوں نے اردو زبان کے قیمتی سرمائے میں اضافہ بھی کیا

اور مختلف اسلوب میں اردو نثر کو ابلاغ کا ذریعہ بنایا۔ مولانا احمد رضا خاں نے فنی، فکری اور اسلوبِ نگارش کی تمام خوبیوں سے مزین اردو نثر تخلیق کی۔ مذہب کی تبلیغ واشاعت کے ساتھ ساتھ انھوں نے اردو زبان وادب کو بھی قیمتی شہ پارے عطا کیے۔

مولانا احمد رضا خان کی نثر میں نثر کی جملہ اقسام کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اپنے ہمعصر نثر نگاروں کے مقابلے میں بہت عمدہ اردو نثر تخلیق کی اور اردو نثر کے فروغ میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ نثر نگاری کی تاریخ ان کے بغیر نامکمل ہے۔ ان کی نثر میں مذہب کے ساتھ ساتھ ادب اور سائنس وفلسفہ کی نثری تخلیق بھی دکھائی دیتی ہے۔ مرجز، مقفیٰ اور عاری نثری کی ایسی مہارت نظر آتی ہے کہ ان کے نثری شہ پارے اردو نثر میں گراں قدر اضافے اور زبان کے فروغ کا باعث ہیں۔ انھوں نے منفرد اسلوب اور الفاظ کے استعمال سے اردو زبان کے خزانے میں اضافے کے ساتھ ساتھ اردو نثر کی بھی خدمت کی ہے۔ ان کا کام کسی بھی نثر نگار سے کم نہیں۔ مقدار اور معیار دونوں لحاظ سے انھوں نے عمدہ اردو نثر کو فروغ دیا ہے۔

حواشی

(۱) اقبال احمد اختر القادری، تصنیفات و تالیفاتِ امام احمد رضا، مشمولہ سالنامہ معارفِ رضا، (کراچی: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۱۹۹۸ء)، ص ۱۵۸

(الف) ماہنامہ المیزان (امام احمد رضا نمبر)، (بمبئی: ۱۹۷۶ء)، ص ۴۴۷

(ب) اقبال احمد اختر القادری، تصنیفات و تالیفاتِ امام احمد رضا، محولہ بالا، ص ۱۵۸

(۲) (الف) میاں عبدالرشید، *Islam in Indo-Pak*، (لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء)، ص ۶۵

(ب) اقبال احمد اختر القادری، تصنیفات و تالیفاتِ امام احمد رضا، محولہ بالا، ص ۱۵۹

(۳) ایضاً، ص ۱۵۹

(۴) ایضاً، ص ۱۶۰

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً

(۷) ایضاً

(۸) ایضاً، ص ۱۶۱

(۹) ڈاکٹر مختار الدین آرزو، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ، مشمولہ ماہنامہ معارفِ رضا، (کراچی: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، مئی ۲۰۰۱ء)، ص ۲۵

(۱۰) مشاہد حسین رضوی، نثرِ رضا کے ادبی جواہر پارے، (مالیگاؤں: ادارۂ دوستی، نومبر ۲۰۱۰ء)، ص ۸

(۱۱) ایضاً

(۱۲) صدر شعبۂ اردو، بہار یونی ورسٹی، مظفر پور، بہار، بھارت

(۱۳) مشاہد حسین رضوی، محولۂ بالا، ص ۱۱

(۱۴) ایضاً،ص ۱۲
(۱۵) ایضاً
(۱۶) ڈاکٹر محمد اشرف کمال، تحقیق اور تدوین متن، (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۷ء)،ص ۶۵،۶۶
(۱۷) پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، رسائل رضویہ ایک مکمل جامعہ کا نصاب،مشمولہ ماہ نامہ معارفِ رضا، (کراچی: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، جولائی ۲۰۱۲ء)،ص ۳۴
(۱۸) رام بابو سکسینہ، تاریخِ ادبِ اردو (حصہ نثر)، (لکھنؤ: نولکشور، س ن)،ص ۲
(۱۹) محمد حسن، مولانا نقی علی خاں: حیات اور علمی و ادبی کارنامے، (کراچی: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۲۰۰۵ء)،ص ۱۱
(۲۰) ایضاً،ص ۱۱
(۲۱) ایضاً،ص ۱۲
(۲۲) محمد حسن، مولانا نقی علی خاں: حیات اور علمی و ادبی کارنامے،محولۂ بالا،ص ۱۲، ۱۳
(۲۳) مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ، نادر خطوط غالب (مرزا غالبؔ مرحوم کے ستائیس ۲۷ غیر مطبوعہ خطوط)، مرتب: اسماعیل رسا، (لکھنؤ: کاشانۂ ادب، ۱۹۳۹ء)،ص ۱۲
(۲۴) مولانا غلام غوث قادری، امام احمد رضا قدس سرہٗ کی مکتوب نگاری فکر و فن کے آئینے میں،مشمولہ سال نامہ معارفِ رضا،شمارہ ۲۲، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء، (کراچی: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل)،ص ۱۵۴
(۲۵) میر امنؔ کا اصل نام میر محمد امان اور تخلص امنؔ تھا۔ انھوں نے شاعری کو باقاعدہ اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا۔ وہ خود اپنے متعلق بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا اور نہ ہی وہ کسی شاعر کے بھائی ہیں۔ ان کے آبا و اجداد مغل حکمران ہمایوں کے عہد میں دربار سے وابستہ ہوئے۔ احمد شاہ ابدالی اور سورج مل جاٹ کے حملے کے بعد انھوں نے دہلی کو چھوڑا اور عظیم آباد کا رُخ کیا۔ کلکتہ میں کچھ دن بے کاری سے گزارے۔ ان کا تعارف بہادر علی حسینی کی وساطت سے ڈاکٹر گل کرسٹ سے ہوا۔ شعبۂ ہندوستانی کے سربراہ کی حیثیت سے ڈاکٹر گل کرسٹ نے اُنھیں فورٹ ولیم کالج میں ملازم رکھ لیا۔ انھوں نے باغ و بہار کا آغاز ۱۸۰۱ء میں کیا۔ ایک سال بعد انھوں نے کتاب مکمل کی اور اسے پہلی مرتبہ ۱۸۰۳ء میں شائع کیا گیا۔ ان کی دوسری کتاب گنج خوبی ہے۔ میر امنؔ دہلوی کی مستند تاریخِ پیدائش اور وفات کا حوالہ کسی تذکرے میں نہیں ہے۔ بحوالہ: میر-امنؔ /ur.m.wikipedia.org/wiki، بتاریخ: ۱۹/ اکتوبر ۲۰۱۶ء، بوقت: ۳:۳۰ سہ پہر
(۲۶) رام بابو سکسینہ، تاریخِ ادبِ اردو (حصہ نثر)،محولۂ بالا،ص ۱۵
(۲۷) میر امنؔ دہلوی کی گنجِ خوبی پر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے مقدمہ لکھا جسے شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی نے ۱۹۶۶ء میں شائع کیا۔
(۲۸) محمد حسن، مولانا نقی علی خاں: حیات اور علمی و ادبی کارنامے،محولہ بالا،ص ۱۵
(۲۹) مولوی اکرام علی، ۱۸۱۴ء میں فورٹ ولیم کالج میں محافظِ دفتر کے عہدے پر فائز تھے۔
(۳۰) محمد حسن، مولانا نقی علی خاں: حیات اور علمی و ادبی کارنامے،محولہ بالا،ص ۱۶
(۳۱) (الف) تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک)، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص ۴۸۷
(ب) محمد عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۷۹ء)،ص ۳۸

(۳۲) اردو نثر کا ارتقا، محولہ بالا، ص ۲۷
(۳۳) مولانا احمد رضا خاں بریلوی، الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم ارحام، (لاہور: ۱۳۱۵ھ)، ص ۱۹ تا ۲۱
(۳۴) ریاست علی قادری، مرتب، امام احمد رضا خان کے نثری شہ پارے، (کراچی: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل)، ص ۱۴
(۳۵) مولانا احمد رضا خان بریلوی، فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۹، (لاہور: رضا فاؤنڈیشن، س۔ن)، ص ۵۰۷-۵۱۰۔
(۳۶) ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۱۶۶
(۳۷) غلام غوث قادری، امام احمد رضا کی انشا پردازی، (کراچی: ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۲۰۰۷ء)، ص ۴۰
(۳۸) ایضاً، ص ۴۰
(۳۹) مولانا احمد رضا خان بریلوی، فتاویٰ رضویہ، محولۂ بالا، جلد ۲۲، ص ۲۹۷-۳۰۲
(۴۰) ایضاً، جلد ۱۵، محولۂ بالا، ص ۴۴۷-۴۵۰
(۴۱) مولانا احمد رضا خاں بریلوی، تمہیدِ ایمان بآیاتِ قرآن، (سکھر: مکتبۂ نوریہ رضویہ، وکٹوریہ مارکیٹ، س ن)، ص ۹
(۴۲) ایضاً، ملفوظات، (کراچی: احمد رضا بریلوی کتب خانہ، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۶، ۱۷
(۴۳) (الف) مولانا محمد ظفر الدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، (کراچی: ۱۹۳۸ء)، ص ۲۴۱
(ب) محمد فیض احمد اویسی، اسلامی ہنسی مذاق، طبع دوم، (بہاولپور: ادارہ تالیفات اویسیہ، ۱۴۲۱ھ)، ص ۱۶۱
(۴۴) ڈاکٹر صابر سنبھلی، اردو نثر نگاری اور امام احمد رضا، مشمولہ معارفِ رضا، نومبر ۲۰۰۰ء، (کراچی: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا)، ص ۲۵
(۴۵) ایضاً، ص ۲۵، ۲۶
(۴۶) ایضاً، ص ۲۶
(۴۷) ایضاً
(۴۸) ایضاً
(۴۹) ایضاً، ص ۱۹
(۵۰) مولانا احمد رضا خان بریلوی، فتاویٰ رضویہ، محولۂ بالا، جلد ۳، ص ۱۶۶
(۵۱) ایضاً، جلد ۷، ص ۱۵۷

مآخذ

(۱) اویسی، محمد فیض احمد، اسلامی ہنسی مذاق، طبع دوم، بہاول پور: ادارۂ تالیفاتِ اویسیہ، ۱۴۲۱ھ
(۲) بریلوی، مولانا احمد رضا خان، الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم ارحام، لاہور: اعلیٰ حضرت نیٹ ورک، ۱۳۱۵ھ
(۳) _____، فتاویٰ رضویہ، جلد ۳، لاہور: رضا فاؤنڈیشن، س ن
(۴) _____، _____، جلد ۱۵، _____
(۵) _____، _____، جلد ۲۲، _____

(۶) ______، ______، جلد۲۹، ______

(۷) ______، تمہید ایمان بآیاتِ قرآن، سکھر: مکتبۂ نوریہ رضویہ، وکٹوریہ مارکیٹ، س ن

(۸) ______، ملفوظات، کراچی: احمد رضا بریلوی کتب خانہ، ۲۰۰۹ء

(۹) حسن، محمد، مولانا نقی علی خاں: حیات اور علمی و ادبی کارنامے، کراچی: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۲۰۰۵ء

(۱۰) رضوی، مشاہد حسین، نثرِ رضا کے ادبی جواہر پارے، مالیگاؤں: ادارۂ دوستی، نومبر ۲۰۱۰ء

(۱۱) سکسینہ، رام بابو، تاریخ ادبِ اردو (حصہ نثر)، لکھنؤ: نولکشور، س ن

(۱۲) صدیقی، محمد عتیق، گل کرسٹ اور اس کا عہد، دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۷۹ء

(۱۳) عبدالرشید، میاں، Islam in Indo-Pak، لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء

(۱۴) غالبؔ، مرزا اسد اللہ خاں، نادر خطوط غالب (مرزا غالبؔ مرحوم کے ستائیس ۲۷ غیر مطبوعہ خطوط)، مرتب: اسماعیل رسا، لکھنؤ: کاشانۂ ادب، ۱۹۳۹ء

(۱۵) قادری، ریاست علی، مرتب، امام احمد رضا خان کے نثری شہ پارے، کراچی: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل

(۱۶) قادری، غلام غوث، امام احمد رضا کی انشا پردازی، کراچی: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۲۰۰۷ء

(۱۷) کاشمیری، تبسم، اردو ادب کی تاریخ (ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک)، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء

(۱۸) کمال، محمد اشرف، تحقیق اور تدوین متن، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۷ء

جرائد

(۱) ماہنامہ المیزان، بمبئی: (امام احمد رضا نمبر)، شمارہ: ۷، ۸، ۹، ۱۹۷۶ء

(۲) سالنامہ معارفِ رضا، کراچی: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۱۹۹۸ء

(۳) ______، نومبر ۲۰۰۰ء، ______

(۴) ______، مئی ۲۰۰۱ء، ______

(۵) ______، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء، ______

(۶) ______، جولائی ۲۰۱۲ء، ______

ویب گاہیں

(۱) میر-امّن /ur.m.wikipedia.org/wiki، بتاریخ: ۱۹/ اکتوبر ۲۰۱۶ء، بوقت: ۳:۳۰ سہ پہر